وکالہ کا فقہی تصور اور اسلامی بینکوں میں عملی تطبیق (عصر حاضر کے تناظر میں تجزیاتی مطالعہ)

Wakālah and its Practical Applications in Islamic Banks

ڈاکٹر سید نعیم بادشاہ*
مفتی شفقت اللہ **

ABSTRACT

Wakālah is an agency contract in which a party mandates another party as his agent to perform a particular task. Wakālah is the need of the society, as majority of the people are so busy in their lives and pre occupation that they don't have time to settle all the issues related to banks, so they hire the services of an agent, who works on behalf of them. In the current context of Islamic finance, the customer normally appoints the financial institution as his agent to conduct a particular transaction and in return, the financial institution will receive a fee for the service.

Wakālah is used in credit card, discounting of bill of exchange, Tawarruq, and Murābaḥa etc.

This article is divided in to two sections: the first one; to study Wakālah according to Fiq'hī rules, i.e. its definition, conditions, its qualities and its specifications. And in the other part Wakālah is discussed according to application of the Bank. At the end of discussion conclusion and some suggestions are given.

KeyWords: *Wakāla ,Creditcard, Tawarruq, Murābaḥa, Discounting of Bill of Exchange, etc.*

* چیئرمین شعبہ اسلامیات، زرعی یونیورسٹی، پشاور
** پی ایچ۔ڈی سکالر، یونیورسٹی آف کراچی، کراچی

مقدمہ

عملی زندگی میں "وکالہ" کا شمار اہم موضوعات میں ہوتا ہے۔ شخصی اور اجتماعی امور سے اس کا گہرا تعلق ہے۔ فقہاء کرام رحمۃ اللہ علیہم نے وکالہ کے موضوع پر تفصیلی کلام کیا ہے جس میں وکالہ کی تعریف سے لے کر اس کی شرائط و صفات اور اس کے تقاضے تک شامل ہیں۔ زمانہ قدیم میں وکالت کا تعلق زیادہ تر شخصی معاملات سے متعلق تھا، بعض موقعوں پر اجتماعی معاملات میں بھی ضرورت پڑتی تھی لیکن معاشیات میں چونکہ آج کی طرح کی جدت نہ تھی لہٰذا بینکاری میں اس کا استعمال بھی نہ تھا لیکن جب سے کنونشنل بینکوں کے متبادل غیر سودی بینک یا اسلامی بینک وجود میں آئے ہیں، وکالہ کا استعمال بھی اسلامی بینکوں کے اندر وسیع پیمانے پر شروع ہوا ہے۔ چونکہ اسلامی بینکوں میں وکالہ کی بعض صورتیں انتہائی حساس تھیں یعنی معمولی سی بے اصولی یا غفلت کی وجہ سے معاملے کو جائز سے ناجائز کے حدود میں شامل ہونے کا قوی اندیشہ تھا لہٰذا موضوع کی اس حساسیت کے پیش نظر یہ داعیہ پیدا ہوا کہ اسلامی بینکوں میں موجود وکالہ کی تطبیق اور عملی صورتوں کا جائزہ لیا جائے تاکہ یہ واضح ہو جائے کہ وکالہ کونسی صورتوں میں درست ہے اور کونسی صورتوں میں حرام یا اس کی حدود میں داخل ہے۔

وکالہ کی تعریف

وکالت واؤ کے زبر اور زیر دونوں کے ساتھ پڑھا جاسکتا ہے۔ لغت میں اس سے مراد حفاظت ہوتی ہے جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿حسبنا الله ونعم الوكيل﴾

وکیل کا مطلب حافظ نگہبان ہے۔[۱]

شرعاً حنفیہ کے ہاں وکالت کی تعریف یہ ہے کہ:

"وهو إقامة الغير مقام نفس"، ترفها أو عجزا،في تصرف جائز معلوم"[۲]

ایک انسان کا اپنی جگہ پر کسی دوسرے کو جائز اور معلوم تصرف میں قائم مقام بنانا یا تصرف سپرد کرنا اور وکیل کی حفاظت میں دینا۔

"ركن التوكيل.فهو الإيجاب والقبول فالإيجاب من الموكل أن يقول: "وكلتك بكذا، افعل كذا، أذنت لك أن تفعل كذا،ونحوه". والقبول من الوكيل أن يقول:قبلت وما يجري مجراه".[۳]

---

(۱) سورۃ آل عمران:۱۷۳

(۲) ابن عابدین، محمد امین بن عمر بن عبد العزیز، رد المحتار علی الدر المختار، دار الفکر، بیروت، طبع دوم: ۱۹۹۲ء، ۵/ ۵۱۰

(۳) کاسانی علاء الدین، ابو بکر بن مسعود بن احمد الحنفی، البدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع، دار الکتب العلمیہ، طبع دوم: ۱۹۸۶م، ۶/ ۲۰۶

وکالت کا رکن: حنفیہ کے ہاں وکالت کا رکن ایجاب وقبول ہیں۔ایجاب مؤکل کی جانب سے ہو گا اوراسے اصیل کہتے ہیں وہ کہے:
"وکلتک بکذا یاافعل کذا وغیرہ، اور وکیل کی جانب سے قبول لفظ "قبلت" یااس کے قائم مقام الفاظ کے ذریعے ہو، پھر قبول ہر اس فعل سے مکمل ہو گا جو قبول پر دلالت کرتا ہو۔

وکالت کے لیے وقت مقرر کرنا

علماء کا وکالت کے لیے وقت مقرر کرنے پر اتفاق ہے کہ ایک ماہ یا ایک سال وغیرہ کا وقت مقرر کیا جاسکتا ہے۔[1]

اجرت پر وکالت

وکالت اجرت کے ساتھ بھی صحیح ہے اور بغیر اجرت کے بھی،اس لیے کہ نبی کریم ﷺ نے اپنے کارندے صدقات وصول کرنے کے لیے بھیجے اوران کے لیے اجرت مقرر کی۔ نیز وکالت عقدِ جائز ہے اور وکیل پر اسے پورا کرنا واجب نہیں بر خلاف گواہی کے کہ گواہ پر اس کی ادائیگی فرض ہے۔

اگر وکالت بغیر اجرت کے ہو تو یہ وکیل کی طرف سے نیکی ہے اور اگر وکالت اجرت پر ہے تو اس کا حکم اجارہ کی طرح ہے۔وکیل، چیز کے سپرد کرنے کی وجہ سے اجرت کا مستحق ہو گا بشرطیکہ شے کا سپرد کرنا ممکن ہو مثلاً موکل نے بیع شراء اور حج کے لیے کسی شخص کو وکیل بنایا تو وہ مطلوبہ ذمہ داری ادا کرتے ہی اجرت کا مستحق ہو گا اگرچہ بیع میں ثمن پر قبضہ نہ بھی کیا ہو،اور وکالتِ اجرت میں مؤکل کے لیے جائز ہے کہ وکیل پر شرط عائد کردے کہ جس چیز کے لیے اسے وکیل بنایا گیا ہے،اس چیز کی ادائیگی تک وہ معاہدے کا حصہ رہے گا اور عدمِ ادائیگی یا معاہدے سے خروج کی صورت میں وہ اجرت کا مستحق نہ ہو گا۔[2]

وکالت کی مشروعیت

وکالت، کتاب اللہ، سنت رسول اللہ ﷺ اوراجماع کی رو سے جائز ہے۔
اہل کہف کے بارے میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:
﴿ فَابْعَثُوا أَحَدَكُمْ بِوَرِقِكُم هَذِهِ إِلَى الْمَدِينَةِ فَلْيَنْظُرْ أَيُّهَا أَزْكَى طَعَامًا فَلْيَأْتِكُمْ بِرِزْقٍ مِنْه ﴾[3]
اب تم اپنے میں سے کسی کو اپنی یہ چاندی دے کر شہر بھیجو وہ خوب دیکھ بھال لے کہ شہر کا کونسا کھانا پاکیزہ تر ہے، پھر اسی میں سے تمہارے کھانے کے لیے لے آئے۔

---

(۱) کاسانی، البدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع، ۶/ ۲۰
(۲) ابن ہمام، محمد بن عبدالواحد سیواسی، فتح القدیر و تکملتہ، قاضی زادہ، نتائج الافکار، دار الفکر، ۶/ ۱۲۳
(۳) سورۃ الکہف:۱۹

آیت مذکورہ میں وکالت بالشراء ہے جس میں ایک شخص کو وکیل بنا کر بھیجا گیا ہے کہ وہ دوسروں کے لیے کھانا لے کر آئے۔

سنت سے ثبوت

حضور ﷺ نے حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ کو قربانی کے جانور خریدنے کے لیے وکیل بنایا۔(۱)

اجماع سے ثبوت

وکالت کے درست ہونے پر امت کا اجماع واتفاق ہے۔(۲)

وکالت کا حکم

وکالت میں اصل اباحت ہے اور کبھی یہ مستحب ہوتی ہے جبکہ مستحب پر مدد ہو اور کبھی مکروہ ہوتی ہے جب مکروہ پر مدد ہو اور کبھی حرام ہوتی ہے جب حرام پر مدد کی جائے اور کبھی واجب ہوتی ہے اور یہ اس صورت میں ہے کہ جب مؤکل سے ضرر دفع کرنا مقصود ہو ہو۔(۳)

شرائط وکالت

وکالت کے صحیح ہونے کے لیے کچھ شرائط ہیں، بعض شرائط مؤکل سے متعلق ہیں، بعض وکیل سے اور بعض اس چیز سے جس کا وکیل بنایا جارہا ہے۔

مؤکل کی شرائط

اول شرط یہ ہے کہ وکیل اس تصرف کا مالک ہو جس کے لیے اسے وکیل بنایا گیا ہے اوراس پر اس تصرف کے احکام لازم ہوں۔ اس لحاظ سے مجنون، بے ہوش اور نا سمجھ بچے کو وکیل بنانا درست نہیں اس لیے کہ ان میں عقل نہیں جو اہلیت کی شرط ہے نیز ان پر تصرفات کے احکام بھی لازم نہیں ہوتے جیسے سمجھدار بچے کو ایسی چیزوں کا وکیل بنانا درست نہیں جو ضرر محض ہیں اور جن کے کرنے کا وہ مالک نہیں جیسے طلاق، ہبہ، صدقہ وغیرہ، البتہ خالص نفع والے تصرفات جیسے تبرعات کا قبول کرنا وغیرہ، تو ان میں سمجھدار بچے کو وکیل بنانا جائز ہے اور رہ گئے وہ تصرفات جو نفع ونقصان کے درمیان دائر ہیں جیسے بیع واجارہ وغیرہ، اب اگر سمجھدار بچہ ماذون فی التجارۃ ہے تو اسے وکیل بنانا صحیح ہے اس لیے کہ وہ ان تصرفات کا مالک ہے اور اگر اسے تجارت کی اجازت نہیں تو پھر اس میں وکیل تو بن جائے گا لیکن اس کی وکالت ولی کی اجازت پر موقوف ہو گی۔(۴)

---

(۱) سنن ابی داؤد، مکتبہ رحمانیہ، اقراء سنٹر غزنی سٹریٹ اردو بازار، لاہور، ۱/۴۶۸

(۲) مفتی خالد سیف اللہ رحمانی، قاموس الفقہ، زم زم پبلشرز، اردو بازار، کراچی، ۲۰۰۷ء، ص:۳۱۰

(۳) زحیلی، وہبہ بن مصطفی، الفقہ الاسلامی وادلتہ، دار الفکر، دمشق، ۱۴۳۰ھ، ۴/۹۹۷

(۴) کاسانی، البدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع، ۶/۲۰

وکیل کی شرائط

۱. وکیل عاقل ہو یعنی اسے عقد کی فہم ہو، بیع وشراء کے نفع ونقصان کو جانتا ہو اور غبن کو جانتا ہو کہ یسیر ہے یا فاحش، مجنون اور ناسمجھ بچے کی وکالت درست نہیں البتہ سمجھدار بچے کی وکالت درست ہے چاہے تجارت کی اسے اجازت ہو یا نہ ہو۔

۲. حنفیہ کے ہاں یہ شرط بھی ہے کہ وکیل عقد کا قصد کرنے والا ہو، مذاق نہ کر رہا ہو اور وکالت کو جانتا بھی ہو۔ وکیل کو وکالت کا علم بالمشافہہ یا اس کی طرف خط لکھ کر یا اس کی طرف قاصد بھیج کر یا دو آدمیوں کی خبر، جس کی وکیل تصدیق کر دے، کے ذریعے بھی ہو سکتا ہے۔

۳. وکیل نسب یا اشارہ کے ذریعے متعین ہونا چاہیے۔ اگر دو آدمیوں میں سے ایک کو غیر متعین وکیل بنایا تو جہالت کی وجہ سے وکالت درست نہیں نیز یہ بھی ضروری ہے کہ وکیل اپنے موکل کو جانتا بھی ہو۔

۴. شرعاً وہ معاملہ قابلِ نیابت ہو اور وہ ہر وہ چیز جس میں نیابت درست ہو اس میں وکالت درست ہے۔ عبادات بدنیہ محضہ میں وکالت درست نہیں جیسے صلوٰۃ وصوم۔ اس لیے کہ ان کا مقصد تو نفس کی مشقت اور امتحان وآزمائش ہے اور یہ مقصد وکالت سے حاصل نہیں ہوتا۔

۵. قسم کے لیے وکیل بنانا بھی درست نہیں اس لیے کہ اس کا مقصد حلف اٹھانے والے کی سچائی کا اظہار اور اللہ تعالیٰ کی عظمت، جلال اور عبودیت پر اعتماد ہے اور یہ شرعی امر ہے وطی کے لیے وکیل بنانا بھی درست نہیں اس لیے کہ اس کا مقصد پاکدامنی، نجابت وشرافتِ اولاد ہے۔ (۱)

حقوق اللہ میں وکالت

حقوق اللہ میں وکالت کی دو صورتیں ہیں:

ایک وہ حقوق ہیں کہ جن میں دعوی شرط ہے جیسے حد قذف، حد سرقہ، ایسے حقوق کو ثابت کرنے کے لیے وکیل بنانا کہ وہ موکل کی طرف سے عدالت میں دعوی دائر کرے، امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک جائز ہے، خواہ موکل موجود ہو یا غائب، امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک جائز نہیں۔ جن حقوق میں دعوی شرط نہیں جیسے حد زنا، شراب نوشی کی حد، ان کے ثابت کرنے کے لیے توکیل جائز نہیں۔ (۲)

---

(۱) کاسانی، البدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع، ۶/ ۲۰

(۲) ابوزکریا یحی بن شرف النووی، المجموع شرح مہذب، دار الفکر بیروت، ۲۰۱۲ء، ۱۴/ ۹۳

حقوق العباد میں وکیل بنانا

حقوق العباد کی دو قسمیں ہیں:

حقوق العباد بھی دو طرح کے ہیں؛ایک وہ جو شبہ کی وجہ سے ساقط ہو جاتے ہیں جیسے قصاص، تو ایسے حقوق کے ثابت کرنے کے لیے وکیل بنانا جائز ہے لیکن قصاص کے لیے توکیل اسی وقت جائز ہو گی جب کہ مؤکل یعنی مقتول کا ولی خود موجود ہو اگر مقتول کا ولی خود غائب ہو تو قصاص حاصل کرنے کے لیے وکالت معتبر نہیں ہو گی۔ بعض حقوق العباد وہ ہیں جو شبہ کے باوجود ثابت ہو جاتے ہیں یعنی مالی حقوق جیسے دین وغیرہ، انہیں ثابت کرنے کے لیے اور ان حقوق کو حاصل کرنے کے لیے، دونوں مرحلوں میں توکیل درست ہے۔ (۱)

مقدمہ میں وکالت

امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک مقدمہ کی پیروی میں وکیل بنانا جائز ہے لیکن خود عدالت میں مؤکل کی حاضری بھی ضروری ہے۔ البتہ دو صورتوں میں مؤکل حاضری سے مستثنیٰ ہوتا ہے؛ایک یہ کہ خود دوسرا فریق اس کی عدم حاضری پر رضامند ہو یا مؤکل بیماری یا طویل مسافت کے سفر کی وجہ سے حاضری سے معذور ہو یا پردہ نشین خاتون ہو صاحبین رحمۃ اللہ علیہما اور دوسرے فقہاء کے نزدیک نہ فریق مخالف کی رضامندی ضروری ہے اور نہ مؤکل کی حاضری۔ (۲)

گواہی میں وکیل

یہ بات ظاہر ہے کہ شہادت اور گواہی کا وکیل نہیں بنایا جاسکتا، اس لیے کہ شہادت کسی واقعہ کی آنکھوں موقف ہی ہے دیکھی گواہی کا نام ہے اور اسی واقعہ کو مؤکل نے دیکھا ہے نہ کہ وکیل نے لیکن اقرار کا وکیل بنایا جاسکتا ہے، امام محمد رحمۃ اللہ علیہ، البتہ امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ کا اس سے اختلاف ہے۔ (۳)

اگر کسی شخص کو مطلقاً مقدمہ کا وکیل بنایا جائے تو وہ اپنے مؤکل کی طرف سے اقرار بھی کر سکتا ہے البتہ مؤکل اگر نے وکیل بناتے ہوئے یہ شرط لگادی کہ وہ اس کی طرف سے اقرار کرنے کا مجاز نہیں ہو گا تو اسے استثناء کا حق حاصل ہے۔ (۴)

---

(۱) ڈاکٹر وہبہ زحیلی، الفقہ الاسلامی وادلتہ، دارالاشاعت کراچی، ۲۰۱۵ء، ۸۴/۵

(۲) الشیخ نظام وجماعۃ من علماء الہند، الفتاوی العالمگیریۃ المعروفۃ بالھندیۃ، مکتبۃ ماجدیۃ، کوئٹہ، پاکستان، ۱۹۸۰ء، ۶۱۵/۳

(۳) کاسانی، البدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع، ۲۲/۶

(۴) ڈاکٹر وہبہ زحیلی، الفقہ الاسلامی وادلتہ، ۸۶/۵

بیع وشراء کا وکیل بنانا

بیع و شراء کے لیے بغیر کسی اختلاف کے وکالت جائز ہے اس لیے کہ ان دونوں کا مؤکل خود مالک ہے لہٰذا دوسرے کو حوالے کرنے کا بھی مالک ہے، البتہ توکیل بالشراء کے لیے یہ شرط ہے کہ یہ جہالت کثیرہ سے خالی ہو۔ حنفیہ کے ہاں وکالت بالشراء کی دو قسمیں ہیں[۱]:

وکالت عامہ

اگر کسی چیز کے خریدنے کا وکیل بنایا جائے تو وکالت کی دو صورتیں ہو سکتی ہیں: وکالت عامہ اور وکالت خاصہ۔ وکالت عامہ یہ ہے کہ وکیل کو اختیار دیا جائے کہ وہ کوئی چیز یا کوئی متعین چیز خرید، جیسے کہا جائے، "تم میرے لیے جو مناسب سمجھو خرید لو" یا یوں کہے "میرے لیے جو کپڑا خرید کرنا چاہو خرید لو" یہ وکالت عامہ ہے۔ اس میں کتنا ہی ابہام و اجمال ہو، توکیل درست ہو گی۔

وکالت خاصہ

وکالت خاصہ یہ ہے کہ کسی مخصوص چیز کے خریدنے کا حکم دیا جائے اور یہ نہ کہا جائے کہ تمہاری جو مرضی ہو اس کے مطابق کر لو۔ ایسی وکالت میں اگر زیادہ ابہام (جہالت کثیرہ) ہو تو وکیل بنانا صحیح نہ ہو گا اس لیے کہ اس سے آئندہ نزاع ہونے کا اندیشہ ہے اور اگر معمولی درجہ کا ابہام (جہالۃ قلیلہ) ہے تو وکالت درست ہو گی۔

علامہ کاسانی رحمۃ اللہ علیہ نے معمولی اور غیر معمولی ابہام کے سلسلہ میں یہ اصول بتایا ہے کہ جس چیز کے خریدنے کا وکیل بنایا ہے، اگر وہ مختلف انواع کو شامل ہے تو نوعیت بیان کرنا ضروری ہو گا۔ اگر مطلوبہ نوعیت کو واضح نہیں کیا تو توکیل درست نہیں ہو گی جیسے کپڑا، کہ کپڑے کی مختلف قسمیں ہیں؛ ریشمی کتان، سوتی وغیرہ، تو کپڑے کی نوعیت متعین کرنا ضروری ہو گا ورنہ اس کو غیر معمولی ابہام سمجھا جائے گا اور اگر وہ نام ایک ہی نوع کو شامل ہو جیسے گھوڑا، گدھا، گائے، بکری تو دو چیزوں میں سے ایک کا بیان کرنا ضروری ہو گا؛ یا تو اس کی صفت کو بیان کرے جیسے کہے کہ عربی گھوڑا خرید و، یا قیمت واضح کر دے، مثلاً ایک ہزار روپے تک کا بکرا خرید و۔ اس وضاحت کے بعد جو ابہام پایا جائے گا وہ معمولی درجہ کا ہے، اور وکالت کے صحیح ہونے میں مانع نہیں، اگر صفت یا قیمت بیان نہیں کی تو یہ غیر معمولی ابہام (جہالت کثیرہ) ہے اور ایسے ابہام کے ساتھ یہ وکالت درست نہیں ہو گی۔[۲]

---

(۱) ابن عابدین، محمد امین بن عمر بن عبد العزیز، رد المحتار علی الدر المختار، دار الفکر، بیروت، طبع دوم، ۴/۴۱۶

(۲) کاسانی، البدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع، ۶/۲۳

وکالت کے احکام: وکیل بالخصومت (محامی)

وکالت کا بنیادی حکم یہ ہے کہ وکیل کو مؤکل کے متعین کیے ہوئے دائرہ میں رہتے ہوئے تصرف کا حق حاصل ہو جاتا ہے۔[۱]

حنفیہ کے نزدیک جس شخص کو مقدمہ کی پیروی کا وکیل بنایا جائے، اسے قصاص اور حدود کے علاوہ دوسرے مقدمات میں اقرار کا بھی اختیار ہے۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک مجلس قضاء ہی میں اس کا اقرار معتبر ہو گا۔

جس شخص کو کسی مالی مقدمہ میں وکیل بنایا گیا ہو وہ احناف رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اس مال پر قبضہ حاصل کرنے کا بھی مجاز ہو گا، امام ابو حنیفہ، امام ابو یوسف اور امام محمد کا یہی موقف ہے، امام زفر رحمۃ اللہ علیہم کے نزدیک وکیل قبضہ کرنے کا مجاز نہیں، متاخرین نے اپنے زمانہ میں بڑھتی ہوئی بد دیانتی اور خیانت کی وجہ سے امام زفر رحمۃ اللہ علیہ کے قول کو قبول کیا ہے، یہی حکم اس شخص کے بارے میں بھی ہے جس کو صرف دین کے تقاضا کرنے کا وکیل بنایا گیا ہو۔

جس شخص کو دین کے وصول کرنے کا وکیل بنایا گیا ہو، اگر مقروض دین کا انکار کرے تو امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک وکیل اس مقدمہ میں فریق بن سکتا ہے۔ وہ فریق مخالف کے مقابلہ میں دین کو ثابت کرنے کا مجاز ہے اور اگر مدعی علیہ گواہان پیش کر دے کہ صاحب دین یعنی مؤکل قرض وصول کر چکا ہے یا اس نے قرض معاف کر دیا ہے ، تو یہ ثبوت قابل سماعت اور قابل قبول ہو گا۔ صاحبین رحمۃ اللہ علیہما کے نزدیک دین پر قبضہ کا وکیل ثبوتِ دین کے مقدمہ میں فریق نہیں بن سکتا۔[۲]

وکیل بالبیع

وکیل بیع یا تو مطلق تصرف کا مجاز ہو گا یا اس کے تصرفات مقید ہوں گے۔ اگر اس کا تصرف مقید ہو تو اس میں قید کی بالاتفاق رعایت رکھی جائے گی، جب وہ اس کی قید کی مخالفت کرے تو اس کا تصرف مؤکل پر نافذ نہیں ہو گا، ہاں اس کی اجازت پر موقوف ہو گا۔ وکیل اگر اپنے مؤکل کی مخالفت کرے اور اس میں مؤکل کا فائدہ ہو تو اس کی بھی اجازت ہے۔ اس کی مثال یہ ہے کہ مؤکل کہے میرا یہ باغ ایک ہزار ڈالر کا فروخت کرو تو اس نے ایک ہزار سے کم پر فروخت کر دیا تو یہ نافذ نہیں ہو گا اس لیے کہ اس میں مؤکل کا نقصان ہے اور اگر ایک ہزار سے زیادہ کا فروخت کر دیا تو یہ بیع نافذ ہو گی کیونکہ یہ مخالفت فائدہ مند ہے۔ اگر نقد فروخت کرنے پر کسی شخص کو وکیل بنایا گیا اور اس نے ادھار فروخت کیا تو یہ معاملہ نافذ نہ ہو گا، بلکہ مؤکل کی اجازت پر موقوف ہو گا اور اگر ادھار فروخت کرنے کا وکیل بنایا گیا اور اس نے نقد فروخت کیا تو یہ معاملہ نافذ ہو جائے گا۔[۳]

---

(۱) کاسانی، البدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع، ۶/۲۳

(۲) ایضاً، ۶/۲۴

(۳) ایضاً، ۶/۲۸

وکالت ختم ہونے کے طریقے

وکالت عقد لازم نہیں بلکہ عقد جائز کی ہے، یعنی مؤکل ہو یا وکیل وکالت کو ختم کر سکتے ہیں۔ اسی پس منظر میں یہ سوال ابھرتا ہے کہ کن صورتوں میں وکالت ختم ہوتی ہے؟ علامہ کاسانی رحمۃ اللہ علیہ نے تفصیل سے اس کا ذکر کیا ہے، وہ صورتیں حسب ذیل ہیں:

۱۔ مؤکل کا وکیل کو معزول کرنا

مؤکل وکیل کو معزول کر دے، وکیل کو اپنی معزولی کا علم ہو جائے اور اسکی وکالت سے کسی تیسرے شخص کا حق متعلق نہ ہو۔ جب تک وکیل کو اپنے معزول ہونے کی اطلاع نہ ہو، اس کا تصرف مؤکل ہی کی طرف منسوب ہو گا، اگر وکالت سے کسی تیسرے شخص کا حق متعلق ہو تو اس شخص کی رضامندی کے بغیر مؤکل اسے معزول نہیں کر سکتا جیسے ایک شخص نے قرض لیا اور قرض دہندہ کے بجائے کسی تیسرے کے پاس کوئی سامان بطور رہن رکھا اور اس کو وکیل بنایا کہ مدت مقررہ پر قرض ادا نہ کرنے کی صورت میں وہ سامان رہن کو فروخت کر کے قرض دہندہ کا قرض ادا کر دے، اب اگر مقروض اس کو وکالت سے معزول کر دے تو ظاہر ہے کہ قرض دہندہ کا قرض متاثر ہو گا، اس لیے یہ صورت درست نہیں۔

۲۔ مؤکل کی موت ہو جائے۔

۳۔ مؤکل پاگل ہو جائے، پاگل ہونے سے مراد مستقل پاگل ہو جانا ہے اگر عارضی دورہ ہو جو ایک ماہ سے کم مدت پر محیط ہو تو اس سے وکالت ختم نہیں ہو گی، ایسے مستقل پاگل کو اصطلاح میں "جنون مطبق" کہتے ہیں۔

۴۔ مؤکل خود تصرف سے عاجز ہو جائے، جیسے عدالت کسی شخص کو دیوالیہ قرار دے کر اس مال میں تصرف کرنے سے روک دے۔

۵۔ وکیل کی موت واقع ہو جائے۔

۶۔ وکیل جنون مطبق میں مبتلا ہو جائے۔

۷۔ مؤکل کا مؤکل فیہ میں تصرف کرنا

جس چیز میں وکیل بنایا تھا اس میں مؤکل خود تصرف کر دے۔

۸۔ جس چیز کو بیچنے یا ہبہ کرنے کا وکیل بنایا تھا وہ چیز ہی ضائع ہو جائے۔

۹۔ خدانخواستہ مؤکل دارالاسلام سے دارالحرب میں چلا جائے۔[1]

۱۰۔ وکیل کا اپنے آپ کو معزول کرنا

---

(۱) کاسانی، البدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع، ۶/۲۳۸-۲۳۹

وکیل اپنے آپ کو وکالت سے علیحدہ کرلے۔ جب وکیل یہ کہے کہ میں نے اپنے آپ کو معزول کر دیا یا میں وکالت کو رد کرتا ہوں یا میں اس سے نکلتا ہوں تو معزول ہو جائے گا اس میں شرط یہ ہے کہ مؤکل کو معلوم ہو تاکہ اسے نقصان نہ ہو۔[۱]

ڈاکٹر وہبہ زحیلی نے چند صورتیں اور لکھی ہیں اور وہ یہ ہیں:

۱۔ وکیل کو جو کام سپرد کیا گیا تھا وہ اسے پورا کر دے۔

۲۔ مؤکل وکیل بنانے سے یا وکیل وکالت کے قبول کرنے سے انکار کرتا ہو۔

۳۔ وکیل اپنے آپ کو وکالت کی ذمہ داری سے سبکدوش کرلے، تاہم اس کے لیے ضروری ہے کہ وہ مؤکل کو اس سے آگاہ کر دے۔

اسلامی بینکوں میں وکالہ کی صورتیں

درج بالا مضامین میں عقد وکالۃ کا فقہی جائزہ لیا گیا ہے اور اسلامی بینکوں کے عقد کی اساس بھی فقہ اسلامی پر ہے۔ عقد وکالۃ اسلامی بینکوں میں مروج ہے۔ ذیل میں انہی مروجہ صورتوں کا جائزہ پیش کیا گیا ہے:

کریڈٹ کارڈ میں وکالت

کریڈٹ کارڈ قرض لینے دینے کے معاملے کا نام ہے۔ کارڈ کے رکھنے والے کو بینک قرض دیتا ہے اور کارڈ ہولڈر قرض لیتا ہے، یا قرضہ پر خرید و فروخت اس کارڈ کے ذریعہ سے کرتا ہے۔ بعد میں بینک، تاجر کو کارڈ ہولڈر کے بل کی ادائیگی کر دیتا ہے، اس اعتبار سے یہاں قرض، وکالت اور کفالت تینوں معاملوں کو یہ کارڈ شامل ہے جس کی تفصیل حسب ذیل ہے:

قرض

قرض کا معاملہ یوں ہے کہ کارڈ ہولڈر بینک سے اس کارڈ کی جانب سے فراہم کردہ سہولت کے مطابق قرض لیتا ہے اور بعد میں اس کو ادا کرتا ہے اور شرعی اصطلاح میں قرض کی تعریف عند الاحناف یہ ہے:

"دفع الما ارفاقاً لمن ينتفع به ويرد بدله"[۲]

قرض بدل کی ادائیگی کی شرط پر نفع اٹھانے کے لیے مال دینے کا نام ہے۔

کریڈٹ کارڈ کے توسط سے بینک کی جانب سے جو قرض دیا جاتا ہے، کارڈ ہولڈر حسب ضابطہ مقررہ رقم ایک سال تک یا ایک سال کے اندر اندر اس سے خریداری کرتا ہے یا رقم حاصل کرلیتا ہے پھر وہ ایک سال کے اندر ہی

---

(۱) عثمان بن علی، فخر الدین زیلعی، تبیین الحقائق شرح کنز الدقائق، المطبعۃ الامیریہ، بولاق، ۱۳۱۴ھ، ۲۸۶/۴

(۲) منصور بن یونس بن ادریس البہوتی، کشاف القناع عن متن الاقناع، عالم الکتب، بیروت، ۱۹۸۳ء، ۲۹۸/۳

مقررہ مدت میں اس رقم کو بینک میں جمع کرادیتا ہے۔ مذکورہ صورت میں سودی لین دین سے بچتے ہوئے قرض کا معاملہ کرنے کی اجازت دی جاسکتی ہے اس لیے کہ قرض کے لین دین میں اگر سودی معاملہ کا دخل نہیں ہے تو ایسی صورت میں قرض جائز ہے۔

بینک کارڈ ہولڈر کا وکیل اور کفیل بھی

کریڈٹ کارڈ کو قرض کے بعد وکالت کا معاملہ بھی شامل ہے، چنانچہ حنفیہ کے نزدیک شرعی اعتبار سے معلوم وجائز تصرف میں کسی کو اپنی ذات کا قائم مقام بنانے کو وکالت سے تعبیر کیا جاتا ہے۔[۱]

کریڈٹ کارڈ میں وکالت اس طرح سے ہے کہ اگر کارڈ ہولڈر کسی تاجر کے پاس کوئی خریداری کرتا ہے اور اس تاجر کو اپنا کارڈ دکھا کر کہتا ہے کہ وہ اس کی خریدی ہوئی اشیاء کی قیمت بینک سے وصول کرلے تو یہاں بینک اس کارڈ ہولڈر کا وکیل ہوا کہ وہ اس کے تمام قیمت یا بلوں کی وصولیابی اور ان کی ادائیگی کا پابند ہوتا ہے۔ اس اعتبار سے کریڈٹ کارڈ کے معاملہ میں قرض کی رقم بینک کے قبضہ میں ہوتی ہے اور وہ کارڈ ہولڈر کے وکیل کی حیثیت سے اس کے تمام بلوں کی ادائیگی کرتا ہے بالعکس وہ تاجر حضرات کا بھی وکیل بن کر کارڈ ہولڈر سے رقم وصول کرتا ہے، اس لحاظ سے بینک کارڈ ہولڈر اور تاجر دونوں کا وکیل ہوتا ہے، یہ صورت جائز ہے، اس کے جواز میں فقہاء کا کوئی اختلاف نہیں ہے۔[۲]

کریڈٹ کارڈ کی فیس

کارڈ کے اجراء کے لیے بینک جو فیس کارڈ ہولڈر سے لیتا ہے وہ جائز ہے، اسی طرح اس کارڈ کی سالانہ فیس اور اس کے تجدید (Renewal) کی فیس بھی جائز ہے، اس قسم کی رقم یا فیس سروس چارج (اجرت) یا خدمات کے عوض کی حیثیت سے لی جاتی ہے۔ قرض یا قرض کی رقم سے اس کا کوئی تعلق نہیں۔ نیز بلوں کی ادائیگی کے سلسلہ میں بینک تاجروں سے جو کمیشن وصول کرتا ہے یہ بھی بینک کی سروس چارجز یا خدمات کا عوض ہے۔ یہ رقم یا کمیشن بھی جائز ہے کیونکہ بینک کارڈ ہولڈر اور تاجر دونوں کا وکیل ہے اور وکیل کا اجرت لینا جائز ہے۔

اس کارڈ کے ذریعہ حاصل کردہ رقم کے ساتھ مزید جو رقم ادا کرنی ہوتی ہے وہ اگر سالانہ فیس یا تجدید کی فیس ہو تو وہ جائز اور تاجر کمیشن ادا کرے تو وہ بھی جائز ہوگی، ہاں اگر تاخیر کی صورت میں زائد رقم کی ادائیگی ہو تو ایسی رقم کا دینا یا لینا حرام ہے۔ واجب الادء رقم کی ادائیگی میں تاخیر کی وجہ سے جو رقم ادا کرنی ہوتی ہے، وہ رقم سود کو شامل ہے اس لیے کارڈ ہولڈر کے لیے لازمی ہے کہ اس طرح کی تاخیر سے گریز کرے تاکہ وہ سود کی ادائیگی سے بچ سکے۔

---

(۱) وہبہ بن مصطفی زحیلی، الفقہ الاسلامی وادلتہ، ۵/ ۷۲

(۲) قاسمی، مجاہد الاسلام، جدید فقہی مباحث، ادارۃ القران والعلوم الاسلامیہ، گلشن اقبال، کراچی، ۲۰۰۹، ۳۴/ ۱۵۹

معاملہ میں اس بات کا شامل ہونا کہ مقررہ مدت پر ادا نہ ہونے کی صورت میں اصلی رقم سے زائد ادا کرنی ہوگی، یہ باطل شرط ہے جس کا معاملہ پر کوئی اثر نہیں پڑتا یعنی قرض کا معاملہ صحیح اور درست ہے اور شرط باطل ہے۔ فی الجملہ ربا سے بچتے ہوئے کریڈٹ کارڈ کی سہولتوں سے فائدہ اٹھانے کی اجازت دی جاسکتی ہے۔[۱]

تورق میں وکالت

تورق سے مراد یہ ہے کہ انسان کوئی چیز ادھار خریدے پھر اسے فروخت کنندہ کی بجائے کسی تیسرے شخص کو کم قیمت پر نقداً فروخت کر دے تا کہ اسے نقد رقم حاصل ہو جائے خواہ وہ کم ہی کیوں نہ ہو۔ فقہاء کرام نے تورق کی جس صورت کے جواز کا حکم دیا ہے وہ یہ ہے جس میں دو معاملات علیحدہ علیحدہ ہوں۔ ایک یہ کہ بائع اس سامان کو جو اس کی ملکیت و قبضہ میں ہے، متورق کو ادھار فروخت کرے اور دوسرا یہ کہ متورق اس سامان کو ایسے تیسرے شخص کے ہاتھ فروخت کرے، جس کا بائع اول سے کوئی تعلق نہ ہو لیکن بہت سے بینک اور مالیاتی ادارے اس میں ایک تیسرا معاملہ بھی ملاتے ہیں وہ توکیل کا معاملہ ہے مثلاً جب بینک سے معاملہ کرنے والوں میں سے کوئی ایک شخص سرمایہ کاری کو تورق کی بنیاد پر کرنا چاہتا ہے تو بینک اس شخص کو اپنی ملکیت میں موجود سامان نہیں بیچتا بلکہ بنک بازار سے خریدنے کا محتاج ہوتا ہے۔ اب اگر بینک اپنے ملازمین میں سے کسی ایک ملازم کے ذریعے سامان خود خریدے تو اس معاملہ کا قبول کیا جانا ممکن ہے لیکن بہت سی صورتوں میں بینک سامان خود نہیں خرید تا بلکہ تورق کرنے والے ہی کو اپنے نائب کی حیثیت سے سامان خریدنے کا وکیل بنا دیتا ہے، پھر متورق وہ سامان بینک سے ادھار خرید لیتا ہے اور تیسرے شخص کو نقد فروخت کر دیتا ہے اور بہت سے بینکوں میں یہ طریقہ جاری ہے کہ بنک اصل بائع کو ثمن ادا نہیں کرتا بلکہ بینک متورق ہی کو وکیل بالشراء ہونے کی حیثیت سے رقم کی ادائیگی کر دیتا ہے۔[۲]

یہاں بہت زیادہ احتیاط کی ضرورت ہوتی ہے یعنی کلائنٹ یا متوّرق پہلے وکیل کی حیثیت سے قبضہ کرے پھر مؤکل کے ساتھ نئے ایجاب کے ذریعے دوسرا معاملہ کرے پھر یہ عقد درست ہو گا ورنہ اگر یہاں دو معاملے الگ الگ نہ ہوئے بلکہ متورق نے وکیل کی حیثیت سے چیز خریدی پھر فوراً اپنے آپ کو بیچ دی تو یہ صورت جائز نہیں ہو گی۔

چونکہ یہ توکیل تورق کی طرف منسوب ہوتی ہے، اس لیے یہ معاملہ سودی سرمایہ کاری کے مشابہ ہو جاتا ہے، کیونکہ متورق بینک سے کم رقم لیتا ہے اور مدت پوری ہونے پر بینک کو زیادہ رقم واپس لوٹاتا ہے، اگرچہ متورق کا بینک سے کم رقم لینا وکیل بالشراء ہونے کی حیثیت سے واقع ہوا تھا، قرض لینے والے کی طرح نہیں۔ لیکن یہ باریک سا فرق اس معاملہ کو سودی سرمایہ کاری کے مشابہ ہونے سے دور نہیں کرتا، اور یہ توکیل بالشراء کبھی عقد کو ممنوع اور کبھی

---

(۱) مجاہد الاسلام قاسمی، جدید فقہی مباحث، ۳۴/۱۶۴

(۲) عثمانی، محمد تقی، فقہی مقالات، میمن اسلامک پبلشرز، کراچی، ۲۰۱۲، ۵/۱۷۱

مکروہ بنادیتی ہے۔[۱] یعنی تورق میں جو توکیل والا معاملہ ہے اس میں تمام باریکیوں کالحاظ رکھا جائے ورنہ معمولی سی غفلت اور بے پروہی اس کو سودی معاملے کی طرف لے جاتی ہے مثلاً اگر متورق یعنی کلائنٹ وکیل کی حیثیت سے سامان خریدنے کے بعد بینک کی جانب رجوع کرے، اور پھر اس کے ساتھ الگ ایجاب وقبول کے ذریعے بیع کا معاملہ کرے تو اس صورت میں عقد درست ہوگا اور اگر معاملہ کو الگ الگ نہیں رکھا تو پھر اس کی سودی معاملے کے ساتھ مشابہت ہوجائے گی جیسے سودی بینکوں میں کلائنٹ بینک سے کم رقم بطور قرض لیتا ہے پھر مدت پوری ہونے کے بعد زیادہ رقم واپس کرتا ہے اسی طرح یہاں بھی یہی نظر آئے گا کہ گویا متورق نے بینک سے کم پیسے ادھار لیے اور مدت پوری ہونے کے بعد زیادہ واپس کردیئے۔

اجارہ میں وکالت

اسلامی بینکوں میں کسی چیز کو کرایہ پر دینے کا معاملہ دو طریقوں سے ممکن ہے۔

پہلی صورت

پہلی صورت یہ ہے کہ بنک اشیاء اور سامان خود خریدے اور پھر بطور مالک کے اس پر قبضہ بھی کرے اور پھر بینک وہ چیز مدت معلومہ اور اجرت معلومہ پر اپنے گاہک کو کرایہ پر دے دے۔ اس صورت میں مدت اجارہ کے ختم ہونے کے بعد وہ اشیاء اور سامان دوبارہ بینک کے قبضہ میں آجائے گا اور پھر فریقین کو اختیار ہوگا، چاہیں تو دوبارہ جدید عقد اجارہ کرلیں یا فریقین آپس میں اس وقت کوئی ثمن طے کر کے عقد بیع کرلیں، اور بنک کو یہ بھی اختیار ہے کہ وہ اشیاء اور سامان کو دوسرے گاہک کو کرایہ پر دے دے یا دوسرے گاہک کے ہاتھ فروخت کرے۔ مذکورہ طریقہ تو شرعاً بالکل جائز ہے اور اس کے جواز میں کوئی اختلاف نہیں۔

دوسری صورت

دوسری صورت یہ ہے کہ بینک ایسی اشیاء اور سامان کرایہ پر دے جو عقد جارہ کے وقت اس کی ملکیت میں نہیں ہے بلکہ عقد اجارہ کرنے کے بعد بینک وہ سامان سپلائر سے خریدے اور پھر بینک اپنے گاہک کو اس سامان پر قبضہ کرنے اور اس کو وصول کر کے اپنے یہاں نصب کرنے کا وکیل بنادے، اور بینک ایک تاریخ مقرر کردے گا کہ فلاں تاریخ پر عقدِ بیع مکمل ہوکر عقد اجارہ شروع ہوجائے گا۔ چنانچہ اس مقررہ تاریخ کے بعد بینک اس چیز کا کرایہ گاہک سے وصول کرتا رہے گا، یہاں تک کہ عقد اجارہ کی مدت معاہدہ کے مطابق پوری ہوجائے اور بنک اپنے تمام واجبات گاہک سے وصول کرلے تو پھر بنک وہ سامان معمولی ثمن پر اسی گاہک کے ہاتھ فروخت کردے گا۔

اس دوسری صورت میں فقہی اعتبار سے چند امور قابلِ غور ہیں:

---

(۱) محمد تقی عثمانی، فقہی مقالات، ۵/۱۷۱

۱۔ عقدِ اجارہ کا عقد کئی عقود کا مجموعہ بن جاتا ہے جبکہ شرعی نقطہ نظر سے یہ درست نہیں۔

۲۔ یہ عقد اجارہ سے شروع ہو کر بیع پر منتج ہوتا ہے، یہ بھی درست نہیں۔

اس مشکل کا حل فقہاء نے مختلف طریقوں سے بیان کیا ہے۔ مفتی محمد تقی عثمانی صاحب فرماتے ہیں کہ وعدہ بیع کو اجارہ کے ساتھ مشروط نہ کیا جائے بلکہ وہ وعدہ مستقل علیحدہ کیا جائے۔ اس کی صورت یہ ہو گی کہ فریقین کے درمیان ایک وعدہ ایگریمنٹ میں ہو جائے جس میں اسی بات کا وعدہ ہو کہ فریقین پہلے عقد اجارہ کریں گے اور اس کے اختتام پر بیع کریں گے، پھر وعدہ کے مطابق وقت مقررہ پر فریقین کے درمیان اجارہ ہو جائے جس میں بیع کا کوئی ذکر نہ ہو۔ اس کے بعد جب اجارہ کی مدت ختم ہو جائے تو مستقل بیع کر لی جائے جس میں کوئی شرط وغیرہ نہ ہو، اس طرح دونوں عقد مستقل اور غیر مشروط ہو جائینگے اور اس طرح فریقین کے درمیان جو معاہدہ ہو گا وہ تین باتوں پر مشتمل ہو گا:

الف۔ بینک گاہک کو سامان خریدنے کا وکیل بنائے گا۔

ب۔ گاہک یہ وعدہ کرے گا کہ وہ سامان وصول کرنے اور اس کو اپنے قبضے میں لانے اور نصب کرنے کے بعد اس کو کرایہ پر لے لے گا۔

ج۔ بینک یہ وعدہ کرے گا کہ اجارہ کی مدت ختم ہونے کے بعد وہ سامان اس گاہک کو فروخت کر دے گا اس معاہدہ کے مکمل ہو جانے کے بعد گاہک صرف سامان خریدنے کے سلسلے میں بینک کا وکیل ہو جائے گا پھر وکالت کا عمل مکمل ہو جانے کے بعد وعدہ کے مطابق عقد اجارہ مستقل طور پر اپنے وقت پر منعقد ہو گا، اور پھر وعدہ کے مطابق اجارہ کی مدت ختم ہو جانے کے بعد فریقین کے درمیان مستقل طور پر بیع منعقد ہو جائے گی۔

اور گاہک کی طرف سے اجارہ پر لینے کا وعدہ اور بینک کی طرف سے فروخت کرنے کے وعدہ کو دیانۃً پورا کرنا فریقین کے ذمہ بالاجماع واجب ہے۔ جہاں تک قضاءً اس وعدے کے ایفاء کا تعلق ہے تو مالکیہ کے مذہب کے مطابق اگر وعدہ کرنے والے نے وعدہ کر کے موعود لہ کو کسی ایسے معاملہ میں داخل کر دیا ہے جو اس وعدہ کی وجہ سے اس پر لازم ہوا ہے تو اس صورت میں قضاءً اس وعدہ کو پورا کرنا واجب ہے اور اگر وعدہ کرنے والا وعدہ خلافی کرے اور اس وعدہ خلافی کی وجہ سے موعود کو کوئی نقصان ہو جائے تو وعدہ کرنے والا اس مالی نقصان کا ضامن ہو گا۔ حنفیہ کے مسلک میں وعدہ اگرچہ قضاءً لازم نہیں ہوتا، لیکن متاخرین فقہاء حنفیہ نے وعدہ کو لازم بھی قرار دیا ہے۔[1]

---

(۱) محمد تقی عثمانی، فقہی مقالات، ۱/ ۸۲

خلاصہ

اس عقد کو شرعی طور پر جائز کرنے کے لیے اس میں مندرجہ ذیل شرائط کا لحاظ ضروری ہے۔

۱. بینک اور گاہک کے درمیان جو ایگریمنٹ لکھا جائے، اس میں گاہک کو سامان خریدنے کے لیے وکیل بنانے کا معاملہ تو قطعی اور یقینی ہو لیکن اس ایگریمنٹ میں اجارہ اور بیع کا تذکرہ صرف بطور وعدہ کے ہو، قطعی اور فیصلہ کے طریقہ پر ان کا عقد نہ کیا جائے۔

۲. جب گاہک سامان خرید کر اس پر قبضہ کرلے اور اس کو اپنے ہاں نصب کرلے، اس کے بعد عقد اجارہ بالمشافہہ یا مراسلت کے ذریعے کیا جائے اور اس عقد اجارہ کے وقت بیع کا تذکرہ نہ کیا جائے۔

۳. سامان کی خریداری کے بعد اور عقد اجارہ ہونے سے پہلے وہ سامان بینک کی ضمان میں رہے گا۔

۴. اگر فریقین میں کوئی ایک وعدہ اجارہ یا وعدہ بیع کی خلاف ورزی کرے گا تو اس وعدہ خلافی کے نتیجے میں فریق ثانی کو جو مالی نقصان ہو گا فریق اول اس نقصان کی تلافی کرے گا۔[1]

بل آف ایکسچینج میں وکالت

مالی دستاویز کی ایک قسم جس کا رواج آج کل بازار میں جاری ہے، "بل آف ایکسچینج" کہا جاتا ہے۔ یہ در حقیقت ایک دستاویز ہے جو بیع مؤجل میں مشتری بائع کو لکھ کر دیتا ہے، جس میں مشتری کی طرف سے اس بات کا اعتراف ہوتا ہے کہ اس کے ذمہ مبیع کا ثمن واجب ہے اور آنے والی تاریخ میں اس کی ادائیگی اس کے ذمہ لازم ہے اور بائع جو بل آف ایکسچینج کا حامل ہے وہ بعض اوقات اس بل کی رقم کو تاریخ سے پہلے حاصل کرنا چاہتا ہے، لہذا وہ بل کو کیش کرنے کی تاریخ کا انتظار نہیں کرتا بلکہ بائع وہ بل کسی تیسرے شخص کو اس پر درج شدہ قیمت سے کم قیمت پر فروخت کر دیتا ہے، اس عمل کو "ڈسکاونٹنگ آف بل" کہا جاتا ہے۔

اکثر علماء معاصرین نے "ڈسکاونٹنگ آف بل" کا حکم "دین کی بیع اقل نقد کے عوض فروخت" کی بنیاد پر نکالا ہے، اور اس جہت سے اس کی ڈسکاونٹنگ کو حرام قرار دیا ہے۔

بل آف ایکسچینج کی کٹوتی کا متبادل

بل آف ایکسچینج کی کٹوتی کا جہاں تک تعلق ہے، اس مقصد کے حصول کے فقہاء نے مختلف طریقے بیان کیے ہیں، ان میں اسے ایک طریقہ وکالہ کی بنیاد پر بھی ہے جس کی تفصیل یوں ہے:

بینک اور "حاملِ بل" کے درمیان دو معاملات بالکل مستقل اور علیحدہ علیحدہ ہوں، پہلا معاملہ یہ ہو کہ "بل" کا حامل بینک کو اپنا وکیل بنادے کہ جب اس "بل" کو کیش کرانے کی تاریخ آجائے تو "بل" جاری کرنے والے سے

---

(۱) محمد تقی عثمانی، فقہی مقالات، ۱/۲۸۱

اتنی رقم وصول کرلے اوراس خدمت اور سروس کے عوض "حامل بل" بینک کو ایک متعین رقم بھی دے۔ دوسرا معاملہ یہ ہو کہ بینک اس تاجر یا ایجنٹ کو "بل" میں درج شدہ رقم سے اپنی وکالت کی رقم کم کرکے بقیہ رقم تاجر کو غیر سودی قرض کے طور پر دے دے۔ مثلاً زید "حامل بل" ہے اور بل کی رقم ایک لاکھ روپے ہے، اب زید بینک کو اپنا وکیل بنادیتا ہے کہ بینک بل جاری کرنے والے سے اس کی تاریخ آنے پر یہ میری طرف سے رقم وصول کرلے اوراس خدمت پر ایک ہزار روپے زید بطور اجرت کے بینک کو دے گا، پھر بینک زید کو ایک مستقل عقد کے ذریعے ننانوے ہزار روپے غیر سودی قرض کے طور پر دیتا ہے، اور جب مقررہ مدت پر ایک لاکھ روپے پر بل جاری کرنے والے کی طرف سے وصول ہوں گے، اس وقت آپس میں حساب برابر ہو جائے گا، وہ اس طرح کہ بینک ننانوے ہزار روپے تو قرض کے عوض رکھ لے گا اور ایک ہزار روپے رقم وصول کرنے کی اجرت کے طور پر رکھے گا، البتہ اس طریقہ کے جواز کے لیے مندرجہ ذیل تین شرائط کا پایا جانا ضروری ہے۔

۱. بینک اور گاہک کے درمیان جو ایگریمنٹ لکھا جائے، اس میں گاہک کو سامان خریدنے کے لیے وکیل بنانے کا معاملہ تو قطعی اور یقینی ہو لیکن اس ایگریمنٹ میں اجارہ اور بیع کا تذکرہ صرف بطور وعدہ کے ہو، قطعی اور فیصلہ کے طریقہ پر ان کا عقد نہ کیا جائے۔
۲. جب گاہک سامان خرید کر اس پر قبضہ کرلے اوراس کو اپنے ہاں نصب کرلے، اس کے بعد عقد اجارہ بالمشافہہ یا مراسلت کے ذریعے کیا جائے اوراس عقد اجارہ کے وقت بیع کا تذکرہ نہ کیا جائے۔
۳. سامان کی خریداری کے بعد اور عقد اجارہ ہونے سے پہلے وہ سامان بینک کی ضمان میں رہے گا۔
۴. اگر فریقین میں کوئی ایک وعدہ اجارہ یا وعدہ بیع کی خلاف ورزی کرے گا تو اس وعدہ خلافی کے نتیجے میں فریق ثانی کو جو مالی نقصان ہو گا فریق اول اس نقصان کی تلافی کرے گا۔[1]

اسلامی بینکوں میں جاری شدہ مرابحہ میں وکالت

گاہک جب بینک کے پاس آکر سامان یا آلات یا مشینری وغیرہ کی خریداری کے لیے بینک سے سرمایہ کاری کا مطالبہ کرتا ہے تو بینک اس کو ان اشیاء کی خریداری کے لیے سود پر قرض فراہم کرنے کے بجائے گاہک کی مطلوبہ اشیاء پہلے خود اپنے لیے بازار سے خرید لیتا ہے، اور پھر وہ اشیاء مرابحہ مؤجلہ پر گاہک کو فروخت کردیتا ہے۔ لیکن عملی طور پر اکثر بینکوں میں یہ ہوتا ہے کہ بینک وہ اشیاء خود نہیں خریدتا بلکہ وہ گاہک کو اپنا وکیل بنادیتا ہے کہ تم میرے وکیل بن کر بازار سے فلاں چیز جو ان اوصاف کا حامل ہو، خرید لو۔ جب گاہک اس چیز پر بینک کے وکیل کی حیثیت سے قبضہ کرلیتا ہے تو پھر اس کے بعد گاہک مرابحہ مؤجلہ کے ذریعے وہ چیز بینک سے خرید لیتا ہے۔

---

(۱) محمد تقی عثمانی، فقہی مقالات، ۶/ ۱۲۹

البتہ اس صورت میں یہ ضروری ہے کہ گاہک بحیثیت وکیل کے اپنے فرائض انجام دیتے ہوئے ان اشیاء کو خریدنے کے بعد ان کا رسک بینک کی طرف منتقل کردے، اور پھر ان اشیاء کو بینک سے خریدنے کے لیے از سرِ نو بینک کو اوفر (ایجاب) کرے اور بینک گاہک کی اس اوفر کو قبول کرے۔[1]

نتائج

عقد وکالہ کے ارکان، صفات اور اس کے تقاضے مکمل طور پر ہونے چاہیے ورنہ معمولی بے اصولی کی وجہ سے کئی موقعوں پر معاملہ براہ راست سود کے زمرے میں چلا جاتا ہے۔

سفارشات

۱۔ وکیل کے لیے ضروری ہے کہ وہ جس معاملے میں بھی وکالت کی خدمت سرانجام دے رہا ہے، چاہے وہ وکیلِ مقدمہ ہے یا مالی لین دین میں وکیل ہے وغیرہ، کم از کم اس معاملے سے متعلق جس طرح فنی معلومات سے واقف ہونا ضروری ہے، اسی طرح شرعی لحاظ سے بھی اس معاملے کو اچھی طرح سمجھنا اور پھر اس کی شرائط وغیرہ کا علم ہونا اور نیز اس کو ملحوظ رکھنا بھی ضروری ہے تاکہ عند اللہ یہ وکالت مؤاخذہ اور وبال کا ذریعہ نہ بن سکے۔

۲۔ اسلامی بینکوں کو چاہیئے کہ تربیتی کورسسز کے ذریعے اپنے عملے کو وکالت کے احکام اور عملی طور پر ان کی تطبیقات سے آگاہ کریں۔

۳۔ اسلامی بینکوں پر لازم ہے کہ وہ وکالت کی حقیقی صورتوں کو عملی جامہ پہنائیں اور گاہک کو وکیل بنانے سے گریز کریں تاکہ سودی معاملات سے مشابہت نہ ہو سکے۔

۴۔ نگران کمیٹیاں یا شریعہ بورڈز کو چاہئے کہ تورق جیسے معاملات کی اجازت صرف حقیقی ضرورتوں کی صورت میں ہی دیں، اور اسلامی اداروں کو اپنی مجموعی سرگرمیوں میں ان معاملات کو کم کرنے کی تاکید کریں، خصوصاً توکیل والے معاملے کے تمام مراحل کی ٹھیٹ نگرانی کریں، تاکہ معاملہ سودی معاملہ کے مشابہ نہ ہوں۔

۵۔ اسی طرح حقوق اللہ اور حقوق العباد کے اعتبار سے وکالت کی جو صورتیں جواز عدم کے حوالے سے بنتی ہیں ان کا لحاظ رکھنا بھی ضروری ہے یعنی یہ بات ملحوظ رہے کہ کن چیزوں میں وکالت کرنا درست ہے اور کن میں درست نہیں۔

❁❁❁

---

(۱) عثمانی، محمد تقی، اسلام اور جدید معاشی مسائل، ادارہ اسلامیات لاہور، ۲۰۰۸ء، ۲۲۹/۳